OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.hu.edu.pk

Hazara Islamicus, Vol.:8, Issue: 2, July-Dec 2019
PP: 55- 68

Scan for Online Version

کلاب الحوأب (حوَأب کے کتے) : کتب حدیث وتاریخ کی روایات کا تنقیدی جائزہ

A Critical Review Of The Narrations Of History And Hadith Books Regarding "Dogs Of Al-Hau'ab"

Dr.Irfan Ullah
Assistant Professor, Department of Islamic Studies & Research, University of Science & Technology, Bannu

Dr.Sajid Mehmood
Lecturer, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra

Abstract

The Mother of the believers Hadrat Aishah (RA) was the beloved wife of Hadrat Muhammad (SAW). Her chastity has been described by Allah in the Holy Quran that is known as event of slander. Allah is presenting her chastity but some historians and narrators of Riwayah do not want to forgive her. They attribute such narrations to her, in which she has been cursed. One of them is the narration about "Dogs of al-Hau'ab". The historians are presenting these narrations with false statement, but on the other hand these narrations are also narrated from trustworthy narrators, in which she has been attributed about "Dogs of al-Hau'ab" that is far from her.

Main points of article:

Definition and legal status of the history has been clarified.

The narrations about "Dogs of al-Hau'ab" are evaluated by rational and narational approaches.

These narrations have been judged on the view of the scholars of "Jarh wa Tadil" and the actual event has been accessed.

It has been tried to prove that either these narrations are false or they are the "Manakeer" of trustworthy narrators against the dignity of Hadrat Aishsh (RA).

Keywords: *Hadrat Aisha (R.A), Dogs of al-Hau'ab", History, Hadith.*

چونکہ اس واقعہ کا تعلق براہ راست اور زیادہ تر تاریخ کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ تاریخ کے متعلق کچھ نہ کچھ بحث ہو کیونکہ تاریخ پر اگر تنقید کرنا ہے تو ضروری ہے کہ پہلے اس کی پہچان ہو۔

تاریخ کی لغوی تعریف

(أرخ): (التَّارِيخُ) تَعْرِيفُ الْوَقْتِ يُقَالُ أَرَّخْتُ الْكِتَابَ وَوَرَّخْتُهُ لُغَةٌ وَهُوَ مِنْ الْأَرْخِ وَهُوَ وَلَدُ الْبَقَرَةِ الْوَحْشِيَّةِ وَقِيلَ هُوَ قَلْبُ التَّأْخِيرِ وَقِيلَ لَيْسَ بِعَرَبِيٍّ مَحْضٍ وَعَنْ الصُّولِيِّ تَارِيخُ كُلِّ شَيْءٍ غَايَتُهُ وَوَقْتُهُ الَّذِي يَنْتَهِي إلَيْهِ وَمِنْهُ قِيلَ فُلَانٌ تَارِيخُ قَوْمِهِ أَيْ إلَيْهِ انْتَهَى شَرَفُهُمْ۔[1]

"تاریخ کا معنی ہے وقت کی تعریف جیسے کہ کہا جاتا ہے أَرَّخْتُ الْكِتَابَ یعنی میں نے اس کی کتابت کا وقت بیان کیا ہے۔ اس کا مادہ ارخ ہے اور یہ وحشی گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تاریخ اصل میں تاخیر تھا لیکن اس کے آخر کو بدل دیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ محض عربی لفظ نہیں ہے۔ تاریخ ہر چیز کے غایۃ یا اصل کو کہتے ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں اپنی قوم کی تاریخ ہے یعنی اپنی قوم کی شرافت اس پر انتہاء ہے"۔

تاریخ کی اصطلاحی تعریف

هو فن يبحث فيه عن وقائع الزمان فى العالم من حيثية التعيين والتوقيت۔[2]

" یہ ایک فن ہے جس میں زمانہ عالم کے واقعات سے متعین اور مؤقت بحث ہوتی ہے"۔

موضوع تاریخ

الانسان والزمان وأحوالهما المفصلة تحت دائرة الاحوال العارضة الموجودة للانسان في الزمان۔[3]

"انسان اور زمان اور ان کے وہ مفصل احوال جو انسان کے ساتھ زمانے میں موجود احوال عارضہ کے دائرہ میں ہو"۔

تاریخ کی غایت وغرض

اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے نیک عمل کو برباد نہیں کرتے اور اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے۔ یا پھر انسان کے زمان اور احوال کے متعلق علم حاصل کرنا ہے اور اس سے درس اور عبرت حاصل کرنا ہے تاکہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾[4]

"اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق کی بات اور نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کی"۔

تاریخ کے فوائد

مقدمہ ابن خلدون میں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: "تاریخ عالی مرتبہ علم ہے۔ اس کے فائدے بہت ہیں اور غرض وغایت بہت عمدہ ہے۔ یہ سلف کے حالات، اگلی امتوں کے اخلاق، انبیاء کی سیرتیں، سلاطین کی سیاست اور ان کی سلطنت کے طریقے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ اگر کوئی دینی ودنیوی معاملات میں ان میں سے کسی فریق کی پیروی کرنا چاہے تو کرسکے۔[5]

تاریخ کی اہمیت

علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب میں مسعودی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: تاریخ ایسا علم ہے جس سے عالم اور جاہل دونوں فائدہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ اسی سے اعلیٰ اخلاق کا اقتباس کیا جاسکتا ہے اور بادشاہوں کے آداب سیاست اسی سے سیکھے جاسکتے ہیں اور اسی سے ہر محفل اور مقام کی تزئین ہو سکتی ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: "جب رُواۃ نے جھوٹ کا استعمال شروع کیا تو ہم نے بھی ان کے لئے تاریخ کا استعمال شروع کیا"۔ [6]

تاریخ کا حکم

تاریخ کا حکم کسی ایک فرد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اس کا حکم واجب ہوتا ہے جیسے سیرۃ نبویؐ۔ اور بعض اوقات اس کا حکم حرام بھی ہوتا ہے جیسے خرافات اور واہیات کو بیان کرنا۔ یعنی اسرائیلیات یا فُساق وفُجار کے حالات میں مشغول ہونا۔ بعض اوقات اس کا حکم مکروہ بھی ہوتا ہے جیسے معمولی اور چھوٹے امور میں مشغول ہو جانا جن کا چھوڑنا لکھنے اور بیان کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ جیسے مشاجرات صحابہ میں مشغول ہونا مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات کا بیان کرنا یا اس کو ہوا دینا اور بعض اوقات اس کا حکم مباح کا بھی ہوتا ہے کہ اس میں نہ کوئی دنیاوی فائدہ ہوتا ہے اور نہ اُخروی۔ جیسے قصائد یا اشعار کی تاریخ بیان کرنا۔[7] اگر ایک طرف تاریخ کے فوائد اور اہمیت بھی کافی زیادہ ہے تو دوسری طرف تاریخ کو محض معیار حق بھی نہیں قرار دینا چاہیے کیونکہ اسلامی تاریخ رطب ویابس کا مجموعہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں سچ کے بجائے جھوٹ زیادہ ہے تو بے جانہ ہوگا کیونکہ امت کے افتراق میں ایک سبب تاریخ بھی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی چیز کا فیصلہ تاریخ سے کرنے سے پہلے قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کیا جائے اور تاریخ کو قرآن اور حدیث پر پیش کرنا چاہیے، اگر مطابقت ہے تو فبہا والنعمۃ اور اگر مطابقت نہیں ہے تو قرآن اور حدیث پر عمل اور تاریخ دیوار پر پھینکنے کے لائق۔ زیر نظر تحقیق یعنی حضرت عائشہؓ سے متعلق واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ ایک طرف تو اس حوالے سے تاریخی روایات مشہور ہیں جب کہ دوسری طرف احادیث میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں قسم کی روایات کو تحقیق کے مراحل سے گزارا جائے۔

تاریخ کے لوازم

علامہ شبلی نعمانیؒ تاریخ کی تعریف کرنے کے بعد یوں لکھتے ہیں کہ تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبّب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔ [8]

حضرت عائشہؓ کا نام ونسب

عائشہ بنت ابی بکر بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد ابن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔ [9]

ولادت: اگرچہ ولادت سے متعلق کتب سیر وتاریخ خاموش ہیں لیکن اتنی بات متفق ہے کہ ہجرت نبویؐ سے تین سال پہلے آپ چھ سال کی تھیں۔ چھ سال کی عمر میں نکاح ہوا اور شوال 1ہجری میں نو سال کی تھیں کہ رخصتی ہو گئی۔ 18 سال کی عمر میں ربیع الاول 11ہجری کو بیوہ ہو گئیں۔ اس طرح ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا یعنی

9ہجری۔[10]

وفات: 57یا58 ہجری کو فوت ہوئی، ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رات کے وقت جنت البقیع میں دفن کی گئی۔[11]

حوأب کیا ہے؟

یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں:

قال نصر الحوأب من مياه العرب على طريق البصرة و الحوأب والعناب والحزيز جبال سود أظنها في ديار عوف بن عبد بن أبي بكر بن كلاب أخي قريط بن عبد وقيل سمي الحوأب بالحوأب بنت كلب بن وبرة وهي أم تميم وبكر المعروف بالشعيراء۔[12]

> "نصر کہتے ہیں کہ حوأب بصرہ کے راستے میں عرب کے حوضوں میں سے ایک تھا۔ حواب، عناب اور حزیز کالے پہاڑ ہیں جو میرے خیال میں عوف بن عبد بن ابی بکر بن کلاب کے دیار میں واقع ہیں۔ کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ حوأب مقام کو حوأب بنت کلب بن وبرۃ جو کہ ام تمیم اور بکر المعروف بالشعیراء کے نام سے مسمّٰی کیا گیا ہے"۔

حدیث اور تاریخ کی ان روایات کا براہ راست تعلق اور تبراء حضرت عائشہؓ پر ہے جن پر تنقید ضروری ہے۔ چونکہ تاریخ میں اس روایت کو زیادہ وضاحت اور بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے اس لئے سب سے پہلے تاریخ کی روایت پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کو ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک میں بیان کیا ہے۔ روایت کچھ یوں ہے:

حدثني إسماعيل بن موسى الفزاري قال أخبرنا علي بن عابس الأزرق قال حدثنا أبو الخطاب الهجري عن صفوان بن قبيصة الأحمسي قال حدثني العرني صاحب الجمل قال بينما أنا أسير على جمل إذ عرض لي راكب فقال يا صاحب الجمل تبيع جملك قلت نعم قال بكم قلت بألف درهم قال مجنون أنت جمل يباع بألف درهم قال قلت نعم جملي هذا قال ومم ذلك قلت ما طلبت عليه أحدا قط إلا أدركته ولا طلبني وأنا عليه أحد إلا فته قال لو تعلم لمن نريده لأحسنت بيعنا قال قلت ولمن تريده قال لأمك قلت لقد تركت أمي في بيتها قاعدة ما تريد براحا قال إنما أريده لأم المؤمنين عائشة قلت فهو لك فخذه بغير ثمن قال لا ولكن ارجع معنا إلى الرحل فلنعطك ناقة مهرية ونزيدك دراهم قال فرجعت فأعطوني ناقة لها مهرية وزادوني أربعمائة أو ستمائة درهم فقال لي يا أخا عرينة هل لك دلالة بالطريق قال قلت نعم أنا من أدرك الناس قال فسر معنا فسرت معهم فلا أمر على واد ولا ماء إلا سألوني عنه حتى طرقنا ماء الحوأب فنبحتنا كلابها قالوا أي ماء هذا قلت ماء الحواب قال فصرخت عائشة بأعلى صوتها ثم ضربت عضد بعيرها فأناخته ثم قالت أنا والله وصاحبة كلاب الحوأب طروقا ردوني تقول ذلك ثلاثا فأناخت وأناخوا حولها وهم على ذلك وهي تأبى حتى كانت الساعة التي أناخوا فيها من الغد قال فجاءها ابن الزبير فقال النجاء النجاء فقد أدرككم والله علي بن أبي طالب قال فارتحلوا وشتموني فانصرفت فما سرت إلا قليلا وإذا أنا بعلي وركب معه نحو من ثلثمائة فقال لي علي يا أيها الراكب فأتيته فقال أين أتيت الظعينة قلت في مكان كذا وكذا وهذه ناقتها وبعتهم جملي قال وقد ركبته قلت نعم وسرت معهم حتى أتينا ماء الحوأب فنبحت عليها كلابها فقالت كذا وكذا فلما رأيت اختلاط أمرهم انفتلت وارتحلوا فقال علي هل لك دلالة بذي قار قلت لعلي أدل الناس قال فسر معنا فسرنا حتى نزلنا ذا قار فأمر

علي بن أبي طالب بجوالقين فضم أحدهما إلى صاحبه ثم جيء برحل فوضع عليهما ثم جاء يمشي حتى صعد عليه وسدل رجليه من جانب واحد ثم حمد الله وأثنى عليه وصلى على محمد صلى الله عليه و سلم ثم قال قد رأيتم ما صنع هؤلاء القوم وهذه المرأة فقام إليه الحسن فبكى فقال له علي قد جئت تخن خنين الجارية فقال أجل أمرتك فعصيتني فأنت اليوم تقتل بمضيعة لا ناصر لك قال حدث القوم بما أمرتني به قال أمرتك حين سار الناس إلى عثمان الآ تبسط يدك ببيعة حتى تجول جائلة العرب فإنهم لن يقطعوا أمرا دونك فأبيت علي وأمرتك حين سارت هذه المرأة وصنع هؤلاء القوم ما صنعوا أن تلزم المدينة وترسل إلى من استجاب لك من شيعتك قال علي صدق والله ولكن والله يا بني ما كنت لأكون كالضبع تستمع للدم إن النبي صلى الله عليه و سلم قبض وما أرى أحدا أحق بهذا الأمر مني فبايع الناس أبا بكر فبايعت كما بايعوا ثم إن أبا بكر رضي الله عنه هلك وما أرى أحدا أحق بهذا الأمر مني فبايع الناس عمر بن الخطاب فبايعت كما بايعوا ثم إن عمر رضي الله عنه هلك وما أرى أحدا أحق بهذا الأمر مني فجعلني سهما من ستة أسهم فبايع الناس عثمان فبايعت كما بايعوا ثم سار الناس إلى عثمان رضي الله عنه فقتلوه ثم أتوني فبايعوني طائعين غير مكرهين فأنا مقاتل من خالفني بمن اتبعني حتى يحكم الله بيني وبينهم وهو خير الحاكمين۔[13] الخ

"صفوان بن قبیصہ الاحمسی نے عرنی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں اونٹ پر سوار جارہا تھا کہ میرے سامنے ایک سوار آیا اور مجھ سے سوال کیا کہ اے اونٹ والے کیا تو اپنا اونٹ بیچنا چاہتا ہے؟

عرنی: ہاں۔

سوار: اس کی کیا قیمت ہے؟

عرنی نے کہا: ایک ہزار درہم۔

سوار نے کہا: کیا تو پاگل ہے کہیں اونٹ ایک ہزار میں بکتا ہے؟

عرنی: ہاں یہ میرا اونٹ ہے۔

سوار نے کہا اس میں کیا خوبی ہے؟

عرنی: میں نے اس پر جب بھی کسی کا پیچھا کیا تو اسے پکڑ لیا لیکن مجھے کوئی بھی نہ پکڑ سکا اور جب بھی میں اس پر سوار ہو کر بھاگا تو پیچھا کرنے والا مجھے نہ پا سکا۔

سوار نے کہا: تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم یہ اونٹ کس کے لئے خریدنا چاہتے ہیں؟ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے تو تم کبھی اتنی قیمت طلب نہ کرو۔

عرنی: آخر آپ کس کے لئے اونٹ خریدنا چاہتے ہیں؟

سوار: تیری ماں کے لئے۔

عرنی: میں اپنی ماں کو تو اپنے گھر میں بیٹھے چھوڑ آیا ہوں اس کا سفر کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

سوار: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے لئے۔

عرنی: تو آپ یہ اونٹ لے جائیے اور اب اس کی کوئی قیمت نہیں۔

سوار: میں بلا قیمت نہیں لیتا تم میرے ساتھ قیام گاہ تک چلو میں تمہیں ایک اونٹنی دوں گا اور کچھ درہم بھی دوں گا۔

عرنی کا بیان ہے کہ میں اس سوار کے ساتھ گیا۔ ان لوگوں نے مجھے ایک مہری اونٹنی دی اور چار سو یا چھ سو درہم دیئے۔ اس کے بعد اس سوار نے مجھ سے سوال کیا۔ عرنی بھائی کیا تم راستوں سے واقف ہو؟

عرنی: ہاں میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو لوگوں کو تلاش کر لیتے ہیں۔

سوار: تو تم ہمارے ساتھ چلو۔

عرنی کہتے ہیں کہ میں اُن کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں جس وادی اور چشمہ سے ہمارا گزر ہوتا تو یہ لوگ مجھ سے اس مقام کا نام دریافت کرتے۔ چلتے چلتے ہم **حوأب** کے چشمے پر پہنچے تو وہاں کے کتے ہمیں دیکھ کر بھونکنے لگے۔ ان لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کون سا چشمہ ہے؟

عرنی: یہ چشمہ **حوأب** کے نام سے مشہور ہے۔

عرنی کا بیان ہے کہ میرا یہ جواب سن کر حضرت عائشہؓ زور سے چیخیں اور اپنے اونٹ کے بازو پر چابک مار کر ہنکایا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! **حوأب** کی کتوں والی میں ہوں، اے لوگو مجھے واپس لے چلو۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات تین بار فرمائی اور اپنا اونٹ ہنکایا۔ لوگوں نے بھی اپنے اونٹ ہنکائے اور وہ واپس لوٹیں حتیٰ کہ جب اگلا روز ہوا اور وہ وقت آیا جس وقت اُن لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تھی تو عبداللہ بن زبیرؓ گھبرائے ہوئے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے اور چیخ کر بولے: بچاؤ بچاؤ یہ علیؓ کا لشکر تمہارے سروں پر پہنچ گیا ہے۔

عرنی کہتا ہے کہ اُن لوگوں نے وہاں سے کوچ کیا اور مجھے بُرا بھلا کہنے لگے، میں اُن کے پاس سے واپس چلا آیا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر ملا، اُن کے ساتھ تین سو کے قریب افراد تھے۔ حضرت علیؓ نے مجھے آواز دی کہ اے سوار ادھر آؤ۔ میں اُن کے پاس گیا تو انہوں نے سوال فرمایا: یہ لشکر کہاں ہے؟

عرنی: فلاں فلاں مقام پر مقیم ہے اور یہ اُس کی اونٹنی ہے، میں نے اُن کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا تھا۔

حضرت علیؓ: کیا تم نے بھی اُن کے ساتھ سفر کیا ہے؟

عرنی: ہاں میں نے بھی اُن کے ساتھ سفر کیا ہے لیکن ہم جب **حوأب** کے چشمے پر پہنچے تو اُس عورت پر وہاں کے کتے بھونکنے لگے جس پر اُس عورت نے ایسی ایسی بات کہی تھی لیکن میں نے جب اُن میں اختلاف دیکھا تو میں واپس چلا آیا اور وہ لوگ کوچ کر گئے۔

حضرت علیؓ: کیا تم ذی قار کا راستہ جانتے ہو؟

عرنی: ہاں۔

حضرت علیؓ: تو تم ہمارے ساتھ چلو۔

عرنی کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ چلا یہاں تک کہ ہم ذی قار پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ نے دو آدمی بلوائے اور دونوں کو ملا کر بٹھا دیا، اس کے بعد ایک اور شخص کو طلب کیا گیا اور اُسے ان دونوں پر بٹھا دیا گیا پھر حضرت علیؓ اس شخص پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ایک جانب اپنے پاؤں لٹکا دیئے اور اللہ کی حمد وثناء اور درود وسلام کے بعد فرمایا: تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس عورت نے کیا کیا اور اس قوم نے اس کا ساتھ دیا۔ علیؓ کی یہ بات سن کر ان کے صاحبزادے حسنؓ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور رونے لگے۔

حضرت علیؓ: یہ تم لڑکیوں کی طرح کیوں رو رہے ہو؟

حسنؓ: ہاں میں نے تم کو ایک بات کا حکم دیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی تو تم بھی نہایت مصیبت کے ساتھ قتل کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی حامی ومددگار نہ ہوگا۔

حضرت علیؓ: تو نے مجھے جو حکم دیا تھا وہ لوگوں سے بیان کردے۔

حسنؓ: جب لوگوں نے عثمانؓ کو شہید کیا تھا تو میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ اپنی بیعت کے لئے اس وقت تک ہاتھ نہ پھیلایئے جب تک عرب کے تمام علاقوں کے لوگ آپ کو خلافت پر مجبور نہ کریں اور وہ آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ نہ بنائیں گے لیکن تم نے میرا حکم نہ مانا۔ جس وقت اس عورت اور ان لوگوں نے سر اٹھایا تو میں نے تم سے کہا تھا کہ مدینہ سے نہ جاؤ اور اپنے ان شیعوں کے پاس جو تمہاری بات قبول کرتے ہیں، اپنے پیغامبر بھیج دو۔

حضرت علیؓ: اس نے سچ کہا لیکن اللہ کی قسم میں بچھو کی طرح کمزور نہیں بننا چاہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں اپنے سے زیادہ کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا تھا لیکن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرلی تو جیسے ابوبکرؓ کی بیعت کی تو میں نے بھی بیعت کرلی۔ پھر ابوبکرؓ ہلاک ہوگئے، اُس وقت بھی میں اپنے علاوہ کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا تھا لیکن لوگوں نے عمرؓ کی بیعت کرلی پھر عمرؓ ہلاک ہوگئے اور انہوں نے چھ آدمیوں میں سے ایک ممبر مجھے منتخب کیا لیکن اس وقت بھی لوگوں نے عثمانؓ کی بیعت کرلی جس کی وجہ سے میں نے بھی بیعت کرلی پھر لوگوں نے عثمان رضی اللہ کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کردیا اور میرے پاس خوشی سے بیعت کے لئے آئے۔ میں نے کسی پر زبردستی نہیں کی۔ تو اب جو شخص بھی میری اور اُن لوگوں کی مخالفت کرے گا جو میرے متبع ہیں، میں اُن سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

اس روایت پر تبصرہ

اس روایت پر غور کرنے سے اگر ایک طرف اس کے موضوع ہونے کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف اس میں عقلی لحاظ سے بھی ایسی خرابیاں سامنے آتی ہیں جس کو ایک غبی انسان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ عقلی لحاظ سے اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:

۱۔ اس روایت میں جہاں بھی حضرت عائشہؓ کا ذکر آتا ہے وہاں پر "یہ عورت اور وہ عورت" کے الفاظ آتے ہیں جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ راوی اور کتاب والے کو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے کتنی بغاوت ہے۔ حالانکہ حدیث کی کسی بھی کتاب کو اٹھایا جائے تو وہاں پر عائشہؓ کے لئے ام المؤمنین اورؓ کے الفاظ ملیں گے۔

۲۔ اس روایت میں حضرت علیؓ کے بارے میں یہ تاثر پیش کیا گیا ہے کہ وہ خلافت اور حکمرانی کے لالچی اور متمنی تھے لیکن ان کا بس نہیں چلتا تھا اور ساتھ میں علیؓ کو ایک بزدل انسان بھی پیش کیا ہے کہ ابوبکر، عمر اور عثمانؓ م سب خلیفہ بنتے گئے اور علیؓ باوجود خلافت کے حق دار ہونے کے ان میں سے کسی کے خلاف بھی آواز نہیں اٹھاتے اور لوگوں کو یہ باور بھی نہیں کراتے کہ میں ان سے خلافت کا زیادہ حق دار ہوں، اور پھر لوگوں نے بھی یہ ظلم کیا کہ آپ کا حق کسی اور کو دیا اور وہ بھی صرف ایک بار نہیں بلکہ تین بار۔ اور پھر علیؓ کو ایسا ظالم بھی پیش کیا ہے کہ جب آپ کے ساتھ لوگ مل گئے اور آپ کو خلیفہ بنادیا تو آپ نے ام المؤمنین اور دوسرے مسلمانوں کو بھی نہ چھوڑا اور سب کو مارنے پر آگئے۔ راوی تو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے جتنی بھی جنگیں لڑی وہ سب صرف اپنی اقتدار کے لیے لڑی نہ کہ حق کے لئے۔

۳۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ باپ کے بجائے بیٹا اس کو حکم دیتا ہے۔ حسنؓ اتنے بڑے اور ہوشیار ہو گئے کہ اپنے والد علیؓ کو حکم دیتے ہیں کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا لیکن تم نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اس روایت سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حسن رضی اللہ حضرت علیؓ سے زیادہ سمجھ دار تھے اور مخلص بھی تھے، پھر تو حسنؓ کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ حضرت علیؓ کو۔

۴۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بغیر سواری کی چلی تھی لیکن اتفاق سے راستے میں عرنی مل گیا جس سے اونٹ خریدا گیا۔ اگر عرنی نہ ملتا تو بقول اس جھوٹے راوی کے حضرت عائشہؓ کو بصرہ تک پیدل ہی سفر کرنا پڑتا لیکن طبری خود دوسری جگہ پر لکھتے ہیں : کہ جب عائشہؓ نے کوچ کا ارادہ کیا تو یعلی بن امیہؓ نے ایک اونٹ اسیّ دینار میں خرید کر ام المؤمنین کو پیش کیا اور اس اونٹ کا نام عسکر تھا اور چھ سو اونٹ لشکر کے لیے ہدیۃً دیئے۔[14]

۵۔ اس روایت میں راوی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک دیہاتی عورت ہے جو اونٹ کو خود ہنکا رہی تھیں حالانکہ ام المومنینؓ کے لئے اُن کے اونٹ پر پردے کا انتظام کیا گیا تھا اور فداکار اُن کے اونٹ کا مہار پکڑ کر چل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے: یا أُمنا خیر أُم نعلم۔ "اے ہماری ماں ! ہم جانتے ہیں آپ بہترین ماں ہیں"۔[15]

۶۔ عرنی کو ایک اونٹ کے بدلے میں ایک اونٹنی اور چار سو یا چھ سو درہم دیئے گئے تو جب اس قافلہ میں ایک اونٹنی موجود تھی تو پھر اونٹ لینے کی کیا ضرورت تھی ؟ اور اونٹنی بھی ایسی نہیں تھی کہ چلنے کے قابل نہیں تھی یا کمزور تھی کیونکہ خود عرنی کو ان لوگوں نے اپنے ساتھ لیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ اسی اونٹنی پر ہی تھے، تو پھر اُس سے اونٹ لینے کا کیا معنی؟

۷۔ کتوں کی یہ فطرت ہے کہ وہ اجنبی پر بھونکتے ہیں، شخصیتیں دیکھ کر نہیں بھونکتے لیکن اس روایت کے راوی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف صرف ام المؤمنین پر بھونکتے تھے کیونکہ اس سے قبل یا اس کے بعد تاریخ میں کبھی کتے نہیں بھونکے۔ یا پھر حواَب کے کتوں کی یہ صفت خاصہ تھی کہ وہ کسی پر بھی نہیں بھونکتے تھے بلکہ انہیں صرف ام المؤمنینؓ کے لئے مامور کیا گیا تھا۔

۸۔ ام المؤمنین کی راہبری کے لئے عرنی کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ حالانکہ خود طبری یہ بیان کرتا ہے کے بصرہ کے عامل عبداللہ بن عامرؓ کی تجویز کے مطابق بصرہ کی بلوائیوں کے لیے آپ نے بصرہ کا رخ کیا اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن عامر بھی تھے، وہ راستے کی منزلوں سے خوب واقف تھے بلکہ انہوں نے اس راستے میں اپنی زمانہ گورنری میں حاجیوں اور مسافروں کی سہولت کے لیے جگہ جگہ حوض اور کنویں تعمیر کرائے تھے۔ مقام بستان ابن عامر بھی اس کی طرف منسوب ہے۔ اب عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور ان کی ساتھیوں کی موجودگی میں ایک مجہول اور نامعلوم شخص کو راہبری کے لئے پکڑنا سرار فریب اور دھوکہ ہے۔[16]

۹۔ مکہ سے بصرہ تک کتنے منازل ہوں گے اور ظاہر سی بات ہے ان تمام منازل میں کتے بھی ہوں گے لیکن اس روایت میں کسی مقام کے کتوں کے بھونکنے کا ذکر نہیں لیکن صرف حواَب کے کتوں کو بھونکنے کی تلقین کر دی گئ تھی تاکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تبراء کیا جاسکے۔

۱۰۔ اس روایت کے الفاظ پر تو ذرا غور کیا جائے کہ حضرات شیخین کے لئے ہلاک کا لفظ جب کہ حضرت عثمانؓ کے لئے شہادت کے بجائے قتل کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علیؓ ان تینوں حضرات

کے دشمن تھے۔

۱۱۔ اس روایت میں حضرت علیؓ کو ایک متکبر بادشاہ کی طرح پیش کیا گیا: روایت میں ہے کہ علیؓ نے دو آدمیوں کو بلوایا اور ان دونوں کو بٹھادیا اور پھر ایک اور شخص کو بلایا تو اس شخص کو ان دونوں آدمیوں کے اوپر بٹھادیا اور خود علیؓ اس شخص پر چڑھ کر اس پر بیٹھ گئے اور ایک طرف اپنے پاؤں کو لٹکایا۔ کیا علیؓ کے شان کے یہ مناسب ہے؟ کہاں اُن کی عاجزی اور کہاں یہ تکبر؟ اگر اُن کو خواہ مخواہ تقریر کرنی ہی تھی تو کسی اونٹ پر کیوں نہ چڑھتے؟ چہ جائیکہ انسانوں کو بٹھا کر ان پر بیٹھ گئے، جو کہ متکبر بادشاہوں کا شیوہ ہے۔

۱۲۔ اس روایت میں ایک یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ جب عائشہؓ اور ان کے ساتھ لشکر واپس ہو رہا تھا تو مجھے برا بھلا کہا۔ عجیب بات یہ ہے کہ کوئی شخص پورے راستے میں راہبری کرتا رہے اور پھر آخر میں ان کو گالیاں دی جائیں؟ فیاللعجب۔

۱۳۔ عرنی تو ابتداء میں جب حضرت عائشہؓ کا نام سنتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ اونٹ بغیر کسی معاوضہ کے لو اور یہی بات اس کو سوار نے بھی کہی تھی کہ اگر تجھے پتہ چلے کہ ہم کس کے لیے یہ خریدنا چاہتے ہیں تو تم اس کے پیسے نہیں لوگے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جب علیؓ عرنی سے ملتے ہیں تو پھر عرنی عائشہؓ کو پہچانتے بھی نہیں اور نہ ہی اُس کا نام یاد ہوتا ہے بلکہ وہ عورت کے نام سے اس کو یاد کرتا ہے۔ اس منطق کی تو سمجھ نہیں آتی۔

یہ تو وہ عقلی وجوہات اور خامیاں تھی جو کہ اس روایت میں پائی جاتی ہیں لیکن اب اس روایت کے رواۃ کا کیا حال ہے؟ ان رواۃ کا حال ائمہ جرح و تعدیل اور کتب اسماء الرجال کی روشنی میں دیکھا جائے تو حقیقت حال واضح ہو جائے گی اور ان رواۃ کا جھوٹ سامنے آجائے گا۔ اس روایت کے پہلے راوی کا نام اسماعیل بن موسی الفزاری ہے۔

اسماعیل بن موسیٰ الفزاری:

اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: یہ کوفہ کا باشندہ ہے، ترمذی، ابن ماجۃ اور ابوداؤد نے اس سے روایت لی ہے لیکن بخاری، مسلم اور نسائی نے اس سے روایت نہیں لی۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ سچا ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ابن عدی کہتے ہیں کہ محدثین کو اس پر سخت اعتراض ہے کیونکہ یہ غالی شیعہ تھا۔ عبدان کا بیان ہے کہ ہم اس کے پاس روایات سننے جایا کرتے تھے تو ہمیں ابوبکر بن ابی شیبۃ اور ہناد نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ تم اس فاسق کے پاس جاتے ہو جو صحابہ کرام کو گالیاں دیتا ہے۔[17]

امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: گو کہ اس کو سچا کہا جاتا ہے لیکن اس پر رافضی ہونے کا الزام ہے اور روایات میں غلطیاں کرتا ہے۔ 245ھ میں اس کا انتقال ہوا۔[18]

علی بن عابس الازرق:

اس روایت کے دوسرے راوی علی بن عابس الازرق ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کوفہ کا باشندہ ہے۔ ضعیف ہے، ترمذی نے اس سے روایت لی ہے۔[19]

اس کے حوالے سے امام ذہبی لکھتے ہیں: یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ جوزجانی، ازدی اور نسائی کہتے ہیں: یہ

ضعیف ہے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ یہ فحش غلطیاں کرتا ہے اور اس کے باعث اس کی روایت ترک کردی گئی۔ نبی کریم ﷺ کا حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو فدک کا دینا، یہ روایت بھی اسی سے منقول ہے۔[20]

ابو الخطاب الہجری:

تیسرا راوی ابو الخطاب الہجری ہیں۔ اس کے بارے میں امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ مجہول انسان ہے۔[21]

صفوان بن قبیصہ:

چوتھے راوی صفوان بن قبیصہ ہیں: اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ یہ بھی مجہول ہے۔[22]

عرنی:

اس روایت کے آخری راوی عرنی ہیں: عرنی کی کنیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ عرینہ کی جانب نسبت ہے لیکن اس شخص کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شخص کون ہے؟ کیونکہ اس نام سے فن اسماء الرجال اور کتب جرح وتعدیل میں تقریباً پانچ لوگوں کا ذکر ملتا ہے لیکن ان میں کسی کے ایک کے حوالے سے بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ عرنی یہی شخص ہے۔ ذیل میں ان پانچوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں:

الف: حبۃ العرنی کوفی: امام عقیلی کہتے ہیں: کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ حبۃ العرنی کے احادیث نہیں لکھے جاتے۔[23]

ب: حسن بن الحسین العرنی الکوفی: ابو حاتم کہتے ہیں: محدثین کے ہاں یہ سچا نہیں ہے کیونکہ یہ رؤساء شیعہ میں سے تھے۔[24]

ج: حسن العرنی: یہ قبیلہ بجیلہ میں سے تھے۔ ابن عباسؓ سے روایت لیتے ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں: حسن العرنی سچا ہے، لیس بہ باس، لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ابن عباسؓ سے سماع نہیں کیا ہے۔ ابوزرعۃ سے حسن العرنی کے متعلق پوچھا گیا تو کہا: یہ کوفی اور ثقہ ہے۔[25]

د: قاسم بن حکم العرنی: یہ ھمذان کے قاضی تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: اس کے احادیث لکھے جاتے ہیں لیکن اس پر حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ ابوزرعۃ نے اس کو سچا کہا ہے۔[26]

ط: یحییٰ بن الجزار العرنی: یہ علی، حسین اور ابن عباسؓم سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ابو زرعۃ نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے۔[27]

اب آتے ہیں کتب حدیث کی طرف جس میں اس واقعہ کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس روایت کو مسند احمد، مستدرک حاکم، دلائل النبوۃ للبیہقی، مصفنف لابن ابی شیبۃ، مصنف عبدالرزاق، صحیح ابن حبان، مسند ابی یعلی، معجم الاوسط للطبرانی نے نقل کیا ہے اور ہر مصنف نے اپنی سند کے ساتھ اس کے نقل کا اہتمام کیا ہے لیکن اس کے آخری راوی سب کے نزدیک ایک ہی ہے یعنی جس سے یہ روایت ہے وہ راوی قیس بن ابی حازم ہے۔ روایت کچھ یوں ہے:

> حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا يحيى عن إسماعيل ثنا قيس قال: لما أقبلت عائشة بلغت مياه بني عامر ليلا نبحت الكلاب قالت أي ماء هذا قالوا ماء الحوأب قالت ما أظنني الا أني راجعة فقال بعض من كان معها بل تقدمين فيراك المسلمون فيصلح الله عز و جل ذات بينهم قالت ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لها ذات يوم كيف بأحداكن تنبح عليها كلاب الحوأب۔[28]

> "قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ جب عائشہؓ رات کے وقت بنی عامر کے پانی پر پہنچی تو کتوں نے بھونکا تو فرمایا: یہ کون سا پانی ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ حوأب کا پانی ہے۔ تو فرمایا: میرا خیال ہے کہ میں واپس ہو جاؤں تو بعض لوگوں نے کہا آگے چلتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کے لئے مصلحت ہے کہ اللہ عزوجل ان کے درمیان صلح کردے گا۔ عائشہؓ نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن مجھ سے فرمایا تھا کہ کیسا ہوگا کہ تم میں سے کسی ایک پر حوأب کے کتے بھونکیں گے؟"۔

اس روایت کا سارا دارومدار قیس بن ابی حازم پر ہے جو اس روایت کو اکیلے نقل کرنے والے ہیں۔

قیس بن ابی حازم

قیس بن ابی حازم ابوعبداللہ الاحمسی البجلی الکوفی۔ کوفہ کے محدث تھے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے تھے تاکہ بیعت کرلے لیکن ملاقات سے پہلے نبی کریم ﷺ دنیا سے چلے گئے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابوعبیدۃ، ابن مسعود اور عائشہؓ ان سمیت دس صحابہ کرام سے روایات لی۔ یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور اہل علم کے نزدیک ثقہ ہیں۔ لیکن یحیٰی بن سعید القطان نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے مناکیر میں کلاب الحوأب والی روایت شمار کی ہے۔[29] اور منکر الحدیث یا حدیث منکر کا مطلب متقدمین کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ اس روایت میں یہ راوی متفرد ہے اگرچہ یہ راوی ثقہ کیوں نہ ہو جب کہ متاخرین اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جب ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے۔[30] یہاں پر بھی اگرچہ قیس بن ابی حازم ثقہ راوی ہے لیکن اس روایت میں متفرد ہیں اور اسی لئے یحیٰی بن سعید القطان نے اس کی اس روایت کو منکر الحدیث کہا ہے۔ اس کے متعلق اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں: کہ قیس کی عمر زیادہ ہوگی تھی یہاں تک کہ سو سال سے بھی کئی سال زیادہ کے ہوگئے تھے یہاں تک کہ اس کی عقل جاتی رہی۔

> وقال إسماعيل بن أبي خالد: كبر قيس بن أبي حازم حتى جاوز المائة بسنين كثيرة حتى خرف وذهب عقله۔[31]

علامہ مزیؒ اپنی کتاب تہذیب الکمال میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کے بعض روایات مناکیر شمار کئے ہیں لیکن بعض علماء ان کو مناکیر نہیں کہتے بلکہ ان کو اس کے غرائب شمار کرتے ہیں۔[32]

حوأب کا اصل واقعہ

حوأب کا اصل واقعہ کیا تھا؟ اس حوالے سے بھی تاریخ طبری کی رپورٹ پیش ہے:

اصل واقعہ یہ ہے کہ 6ھ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ایک سریہ پر متعین کرکے بنو فزارہ کی طرف بھیجا۔ اس سریہ میں ام قرفہ نامی ایک عورت مع اپنی بیٹی جس کا نام ام زمل تھا، کے ساتھ گرفتار ہوئی۔ ام قرفہ واجب القتل تھی اور وہ اپنے انجام کو پہنچی مگر ام زمل حضرت عائشہؓ کو بطور لونڈی دے دی گئی۔ حضرت عائشہؓ نے اسے آزاد کرکے اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک دن عائشہؓ کے ساتھ چند عورتیں جن میں ام زمل بھی تھی، بیٹھی ہوئی تھیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: تم میں سے وہ کون ہے؟ جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر یہ عورت اپنے قوم میں چلی گئی اور مرتد ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جب مختلف قبیلوں نے بغاوت کی تو چند لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا جن میں طلیحہ بن خویلد اسدی بھی تھا، غطفان، اسد، ہوازن اور طے قبائل کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہوگئے۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے اس کو شکست فاش دی اور ان کی طاقت کو منتشر کردیا۔ ام زمل سلمیٰ بھی اس لشکر میں

موجود تھی جس کے دل میں اپنی ماں کی قتل کا کینہ بھرا ہوا تھا۔ طلیحہ بھاگ کر یمن چلا گیا۔ غطفان، سُلیم اور ہوازن وغیرہ قبائل کے بچے کھچے لوگ حوأب کے مقام پر جمع ہوئے اور انہوں نے اسی زمل سلمیٰ بن مالک کو اپنی سردارنی بنالیا۔ خالد بن ولیدؓ کو معلوم ہوا تو اس طرف متوجہ ہوئے۔ سلمیٰ اپنے لشکر کو مقابلہ پر آئی تو اس کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی گئیں جس سے اونٹنی گر گئیں اور سلمیٰ قتل ہوئی۔[33] ۔ اس روایت کو علامہ ابن خلدون نے بھی نقل کیا ہے۔[34]

کتنی عجیب بات ہے کہ طبری جیسے بڑے مؤرخ کو یہ غلطی نظر نہیں آئی کہ ایک جگہ پر اسی واقعہ کو حضرت عائشہؓ پر چسپاں کر دیا اور پھر اسی واقعہ کو ام زمل کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ام زمل کا واقعہ حضرت ابو بکرؓ کے خلافت کے ابتدائی مشکلات اور قبائل کے مرتد ہونے والے واقعات میں پیش کر رہے ہیں جب کہ یہی واقعہ حضرت عائشہؓ کے متعلق جنگ صفین کے موقع پر پیش کر رہے ہیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے؟ یا پھر سوچی سمجھی سازش؟ واللہ اعلم

خلاصہ بحث

واقعہ حواب سے متعلق کتب حدیث اور کتب تاریخ میں روایات مذکور ہیں جن میں حضرت عائشہؓ پر تبراء کیا گیا ہے حالانکہ حضرت عائشہؓ اس سے بالکل مبراء اور صاف ہے کیونکہ اس کی صفائی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں پیش کی ہے۔ تاریخ کی روایت من گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ متضاد بھی ہے لیکن دوسری طرف کتب حدیث کی روایت جس کا سارا دارومدار قیس بن ابی حازم پر ہے، تو اگرچہ وہ ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں لیکن پھر یحییٰ بن سعید القطان نے اس کی بعض روایات کو منکر کہا ہے اور واقعہ حواب والی کو بھی اس میں شمار کیا ہے۔

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).

حوالہ جات **(References)**

---

[1] اِبو الفتح، ناصر بن عبد السید اِبی المکارم ابن علی، المغرب فی ترتیب المعرب، مادۃ الھمزۃ مع الراء، طبع نا معلوم، 1/ 40۔

[2] ا بو الحسن السخاوی، علی بن محمد بن عبد الصمد، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، دار الفکر المعاصر۔ بیروت، طبع 1409ھ۔ ص، 6، 7۔

[3] ایضاً، ص 83، 84۔

[4] سورۃ ھود: آیت 120۔

[5] ابن خلدون، عبد الرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون، دار الاشاعت۔ کراچی، طبع 2009ء۔ ج 1، ص 78۔

[6] ایضاً: ص 94۔

[7] ابراھیم الشریفی، الدکتور، التاریخ الاسلامی منذ العھد النبوی ﷺ حتیٰ العصر الحاضر، مکتبہ فاروقیہ۔ کراچی۔: ص 6۔

[8] شبلی نعمانی، الفاروق، ج 1، ص 20۔

[9] شمس الدین الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت۔ ج 2، ص 135، ترجمہ 19۔

---

[10] شعیب سرور، مولانا، حضرت عائشہؓ کے سو قصے، بیت العلوم۔ لاہور۔: ص16۔

[11] الذہبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت، طبع 1405ھ۔ 1985م۔ ج2، ص192، ترجمہ 19۔

[12] ابو عبداللہ الحموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، مادہ: الحاء والنون، دارالفکر۔ بیروت۔ ج2، ص314۔

[13] ابو جعفر الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، باب: شراء الجمل لعائشة رضي الله عنها وخبر كلاب الحوأب۔ دارالکتب العلمیۃ۔ بیروت، طبع 1407ھ۔ ج3، ص11۔

[14] ایضاً، باب: استئذان طلحۃ والزبیر علیا۔ ج3، ص8۔

[15] ابو حنیفہ الدینوری، احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، باب: وقعۃ الجمل، طبع نامعلوم۔ ج1، ص150۔

[16] طبری، ابن جریر، تاریخ الامم والملوک، باب: استئذان طلحۃ والزبیر علیا۔ ج3، ص9۔

[17] شمس الدین الذہبی، میزان الاعتدال، طبع نامعلوم۔ ج1، ص251، ترجمہ 958۔

[18] عسقلانی، ابن حجر، تقریب التہذیب، دارالعاصمۃ۔ پاکستان، طبع 1416ھ۔ ج1، ص110، ترجمہ 942۔

[19] ایضاً، ج2، ص402، ترجمہ 4757۔

[20] الذہبی، میزان الاعتدال، ج3، ص134، ترجمہ 5872۔

[21] ابن حجر عسقلانی، تقریب التہذیب، ج2، ص637، ترجمہ 8081۔

[22] عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، لسان المیزان، مکتب الموضوعات الاسلامیۃ۔ ج4، ص322، ترجمہ 3932۔

[23] ابو جعفر العقیلی، محمد بن عمرو بن موسی بن حماد، الضعفاء، دارالکتب العلمیۃ۔ بیروت، طبع 1404ھ۔ 1984م۔ ج1، ص295، ترجمہ 366۔

[24] ابو حاتم الرازی، محمد بن ادریس بن المنذر، الجرح والتعدیل، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد۔ ہند، طبع 1271ھ۔ 1952م۔ ج3، ص6، ترجمہ 20۔

[25] ایضاً، ج3، ص45، ترجمہ 194۔

[26] ایضاً، ج7، ص109، ترجمہ 629۔

[27] ایضاً، ج9، ص139، ترجمہ 561۔

[28] ابو عبداللہ الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند، باب: حدیث السیدۃ عائشہؓ، مؤسسۃ قرطبہ۔ القاہرہ۔ ج6، ص97، رقم 24698۔

[29] شمس الدین الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، تذکرۃ الحفاظ، دارالکتب العلمیۃ۔ بیروت، طبع 1419ھ۔ ج1، ص49، ترجمہ 49۔ 1998م۔ ابوالفضل العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، تہذیب التہذیب، طبع نامعلوم۔ ج8، ص346، ترجمہ 691۔

[30] مظاہری، تقی الدین ندوی، ڈاکٹر، فن اسماء الرجال ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ، جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور اعظم گڑھ۔ یوپی ص77۔

---

[31] ابوسعید العلائی، المختلطین، باب: قیس بن ابی حازم، مکتبۃ الخانجی، القاہرہ، 1996م۔ ج1، ص99، ترجمہ 37۔

[32] ابوالحجاج المزی، یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن، تہذیب الکمال، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت، طبع1400ھ۔1980م۔ ج24، ص14، ترجمہ 4896۔

[33] طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، باب: ذکر ردة سليم، هوازن وعامر۔ ج2، ص265، نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام: دارالاندلس، لاہور۔ ج1، ص334۔

[34] عبدالرحمٰن ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، طبع نامعلوم۔ ج2، ص72۔